تحقیق وتنقید

تحریر: شیخ فہد بن سعد ابوحسین
ترجمہ وتلخیص: حافظ محمد مصطفیٰ راسخ

حج میں شرعی سہولت وآسانی؛ ایک جائزہ

کتابچہ 'افعل ولاحرج' کے تناظر میں

'محدث' جنوری ۲۰۱۰ء میں مشہور سعودی داعی شیخ سلمان بن فہد العودہ کی تحریر 'افعل ولاحرج' کا اُردو ترجمہ شائع ہوا تھا جس میں موصوف نے عصر حاضر میں حجاجِ کرام کی مشکلات اور مسائل کو سامنے رکھتے ہوئے شریعت میں موجود عمومی سہولیات اور رخصتوں کو کتاب وسنت کی نصوص پر غلبہ دیتے ہوئے حج کے اُمور میں بہت سی پابندیوں کو اُٹھا دینے کا عندیہ دیا تھا۔عصر حاضر میں اس رجحان کی مقبولیت کے پیش نظر سعودی عرب کی وزارتِ اطلاعات نے اس کتابچہ کو وسیع پیمانے پر مفت تقسیم کیا دیگر راسخ فکر علما نے جب اس نظریے کو مصلحت کے شرعی ضابطوں کے منافی پایا تو تعاقب کا ایک سلسلہ شروع ہو گیا۔کیونکہ خطرہ تھا کہ اگر حج کے بارے میں رخصتوں کی تلاش کا یہی رویہ اپنا لیا گیا تو اس سے حج جیسا اہم شعار اپنے بنیادی ڈھانچے سے ہی محروم نہ ہو جائے۔چنانچہ اس کتابچے کے ردّ میں کئی سعودی علما نے استدلال کی کمزوریوں کی نشاندہی کرتے ہوئے مقاصد اور شرعی احکام کی ہم آہنگی کے باوصف بھی ضروری شرعی تعلیمات پر زور دینے کا موقف اپنایا۔زیر نظر مضمون انہی علما میں سے ایک شیخ فہد بن سعد ابوحسین کی تحریر کا خلاصہ ہے جس میں 'افعل ولاحرج' میں بیان کردہ بے ضابطہ سہولیات کا قرآن وحدیث کی روشنی میں محاکمہ کیا گیا ہے۔جواب میں پیش کردہ اس خلاصہ کے آخر میں محاکمہ کی تائید کے طور پر شیخ صالح بن فوزان الفوزان کی کتابچہ ہذا پر تقدیم اور مختصر تبصرہ بھی پیش کر دیا گیا ہے۔بہرکیف 'افعل ولاحرج' کے مضمون کو سامنے رکھتے ہوئے اس تحریر کو بھی ملاحظہ فرمائیں۔(محدث)

اُصولی مقدمات

● بلاشبہ آسانی مقاصدِ شریعت میں سے ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

﴿ يُرِيْدُ اللّٰهُ بِكُمُ الْيُسْرَ وَلَا يُرِيْدُ بِكُمُ الْعُسْرَ ﴾ (البقرۃ:۱۸۵)

''اللہ تعالیٰ تمہارے لیے آسانی چاہتے ہیں اور تنگی نہیں چاہتے۔''

دوسری جگہ فرمایا: ﴿مَا يُرِيْدُ اللّٰهُ لِيَجْعَلَ عَلَيْكُمْ مِنْ حَرَجٍ﴾ (المائدۃ:٦)

''اللہ تعالیٰ تمہیں تنگی میں نہیں ڈالنا چاہتے۔''

www.KitaboSunnat.com

نیز فرمایا: ﴿وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِي الدِّينِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (الحج:۷۸)
''اللہ تعالیٰ نے دین میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔''
نبی ﷺ کا فرمان ہے: «فإنما بعثتم ميسرين ولم تبعثوا معسّرين» (صحیح بخاری:۲۲۰)
''تم آسانی کرنے والے بنا کر بھیجے گئے ہو، تنگی والے بنا کر نہیں بھیجے گئے۔''
دوسری جگہ فرمایا: «إن الدين يسر.....» ''بے شک دین آسان ہے۔'' (صحیح بخاری:۳۹)
نیز سیدہ عائشہؓ فرماتی ہیں:
"ما خُيِّر رسول الله بين أمرين إلا اختار أيسرهما مالم يكن إثمًا"
''دو معاملوں کے درمیان جب آپ کو اختیار دیا جاتا آپؐ دونوں میں جو آسان ہوتا وہ اپنا لیتے بشرطیکہ وہ گناہ نہ ہوتا۔'' (صحیح بخاری:۳۵۶۰)
نیز فرمایا: «أحبّ الدين إلى الله الحنيفية السمحة» (فتح الباری:۱۱۶/۱)
''اللہ کے ہاں پسندیدہ دین، دینِ حنیف آسان اور نرم دین ہے۔''

اس بارے میں کتاب وسنت میں اور بھی بہت سے دلائل موجود ہیں۔ اس شریعتِ مبارکہ کے آسان ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اللہ نے ہماری طاقت کے مطابق ہمیں مکلّف بنایا ہے اور اس اُمت سے مشقت اور بارِگراں کو ختم کر دیا ہے۔

- جیسا کہ مسافر کے لیے روزہ چھوڑنے اور نمازِ قصر پڑھنے کی رخصت ہے۔
- بعض گناہوں پر مختلف قسم کے کفارے لاگو کر دیئے ہیں جیسے قسم کا کفارہ وغیرہ۔
- اسی طرح پانی کی عدم موجودگی میں غسل اور وضو کا متبادل 'تیمّم' مشروع ہے۔
- مریض آدمی اگر کھڑے ہو کر نماز اَدا نہیں کرسکتا تو بیٹھ کر پڑھ لے، اگر بیٹھ کر بھی نہیں پڑھ سکتا تو لیٹ کر پڑھ سکتا ہے۔ نیز بعض شرعی اعذار کی بنیاد پر بعض مخصوص افراد سے جمعہ، حج، عمرہ اور جہاد کو ساقط قرار دے دیا ہے۔ الغرض دین آسان ہے، اس امر میں کوئی اشکال نہیں۔ البتہ اس آسانی کو سمجھنے کی ہماری کیفیت میں ضرور اِشکال پایا جاتا ہے۔

❷ اس آسانی کو سمجھنے کے لیے ضروری ہے کہ ہم اپنے فہم کو شریعت سے تشکیل دینے کی کوشش کریں، نہ کہ اپنے خودساختہ فہم کی بنا پر مرضی کی شریعت تشکیل دے لیں۔ مثلاً خواہشاتِ نفس کی مخالفت کرنا مشقت کا کام ہے اور منافقین نماز کے لیے سستی کی حالت میں آتے ہیں

www.KitaboSunnat.com

بخلاف اللہ سے ڈرنے والے مؤمنوں کے، جیسا کہ قرآن میں ہے:

﴿وَاِنَّهَا لَكَبِيْرَةٌ اِلَّا عَلَى الْخٰشِعِيْنَ﴾ (البقرۃ:۴۵)

''بے شک یہ نماز بھاری ہے مگر اللہ سے ڈرنے والوں پر۔''

چنانچہ ضروری ہے کہ آسانی وہ ہو جو شریعت کے اُصولوں کے عین مطابق ہو نہ کہ سائل اور مفتی کی خواہشِ نفس کے مطابق۔ نصوصِ شریعت سے متصادم آسانی کو اختیار کرنا غلط ہے، کیونکہ شریعت سے متصادم آسانی دراصل اتباعِ خواہشات کے مترادف ہے جس سے روکتے ہوئے اللہ ربّ العزت نے فرمایا ہے: ﴿لَا تُقَدِّمُوْا بَيْنَ يَدَيِ اللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ﴾ (الحجرات:۱)

''اللہ اور اس کے رسول سے آگے نہ بڑھو۔''

شارع کا شریعت کو وضع کرنے کا مقصد بھی یہی ہے کہ مکلّف شخص اتباعِ ہویٰ سے نکل کر اللہ کا بندہ بن جائے اور مفتی و عالم دین شخص کا یہی کام ہے کہ وہ لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی حقیقی عبودیت سے متعارف کروائے اور من چاہی خواہشات کی پیروی کرنے سے منع کرے۔

- اس بنا پر یہ رویہ ہی اُصولی طور پر غلط ہے کہ ہم اَحکامِ شریعت یا حج میں آسانیاں تلاش کرنا ہی اپنا ہدف بنالیں۔
- اور یہ بھی غلط ہے کہ شریعت کے اُصولوں اور مقاصد سے متصادم آسانی تلاش کریں۔

☜ جب یہ امر واضح ہے کہ آسانی 'مقاصدِ شریعت' میں سے ہے تو اس کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ اس آسانی کے حصول کی شرائط بھی پائی جائیں۔ آسانی ایک عام مقصدِ شرعی ہے، لیکن دیگر مبادیاتِ شریعت کی طرح اس میں بھی شرائط کا پایا جانا ضروری ہے۔ اِرشادِ باری ہے:

﴿وَقَالُوْا لَا تَنْفِرُوْا فِي الْحَرِّ قُلْ نَارُ جَهَنَّمَ اَشَدُّ حَرًّا لَوْ كَانُوْا يَفْقَهُوْنَ﴾ (التوبہ:۸۱)

''انہوں نے کہا کہ گرمی میں نہ نکلو، کہہ دیجئے جہنم کی گرمی اس سے بھی سخت ہے اگر وہ سمجھتے ہیں۔''

یہاں فوری طور پر جو بات سمجھ میں آتی ہے کہ شدتِ حرارت میں جہاد کے لئے نکلنا ہی تخفیف کا سبب ہے حالانکہ درحقیقت معاملہ یوں نہیں بلکہ یہ ہے کہ ایسی تخفیف شریعت کے اہم ترین مقاصد یعنی اسلام کو غالب تر کرنے کے عظیم مقصد کے خلاف ہے اور اہل اسلام کو ہر طرح کی شروط و قیود سے آزاد آسانی اور تخفیف اختیار کرلینے سے یہ حقیقی سیادت (غلبۂ

www.KitaboSunnat.com

اسلام) کبھی حاصل نہیں ہوسکتا۔

❸ یہ رویہ بھی غلط ہے کہ ہم حلال اور مباحات میں آسانیاں جمع کرنا شروع کردیں اور کہیں کہ ہمارے نزدیک یہ حلال ہے، یہ واجب نہیں ہے۔ جو شخص اس طرح آسانیاں جمع کرنا شروع کردیتا ہے تو گویا اس نے اُصولِ شریعت کے مطابق آسانی کو سمجھا ہی نہیں ہے۔

❁ کیونکہ شریعت کے تمام اَحکام کسی نہ کسی حکمت پر مبنی ہیں۔ جن میں سے بعض کو ہم جانتے ہیں اور بعض کو نہیں جانتے.....

بعض اَحکام فرد کی مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں جب کہ بعض اَحکام معاشرے اور پوری اُمت کی مصلحت پر مبنی ہوتے ہیں۔ مثلاً اگر ہم زکوٰۃ میں آسانی کو اختیار کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ زیورات میں آپ پر زکوٰۃ نہیں ہے یا نہ چرنے والے جانوروں میں آپ پر زکوٰۃ واجب نہیں تو اس فتویٰ سے صاحب مال پر تو آسانی ہوجائے گی، لیکن فقیر کو لازماً تنگی اور ضرر لاحق ہوگا، کیونکہ ہم نے اپنے فتویٰ سے صاحبِ مال کو زکوٰۃ دینے سے منع کردیا۔

اسی طرح سود حرام ہے۔ حرمتِ سود کی عظیم الشان حکمتوں میں سے ایک حکمت یہ بھی ہے کہ اس سے ضرر کو دور کیا جاتا ہے۔ اگر ہم اپنی رائے کے مطابق آسانی سمجھتے ہوئے فقیر کو سود کھانے کی اجازت دے دیں تو درحقیقت ہم نے اس کو ضرر اور تنگی کا فتویٰ دیا ہے۔

اسی طرح چور کی سزا ہے، اگر ہم آسانی کو سامنے رکھ کر چور کا ہاتھ نہیں کاٹیں گے تو اس عمل سے جرائم کی حمایت ہوگی اور شریعت کے مقصدِ عدل کی تنقیص ہوگی اور چور چوری کرنے سے باز نہیں آئے گا۔ ہم اپنی نظر سے آسانی کو دیکھتے ہیں نہ کہ شریعت کی نظر سے۔ بے شک دین کے تمام اَحکام معاشرے اور فرد دونوں کے لیے آسان ہیں، کسی خاص فرد کے لیے نہیں۔

اسی طرح اگر کوئی شخص کسی طاعون زدہ علاقے میں موجود ہے۔ اب اگر آپ آسانی کو دیکھیں گے تو اس کو اس علاقے سے نکل جانے کی اجازت دے دیں گے، لیکن یہ آسانی باقی معاشرے کے لیے ضرر کا باعث بن جائے گی، کیونکہ ممکن ہے کہ اس شخص کے ذریعہ وہ طاعون دیگر علاقوں میں بھی پھیل جائے۔

❁ اَحکامِ شریعت مکمل طور پر آسان ہیں، لیکن ہمیں اپنی نگاہ سے اَحکام کو آسان یا سخت دیکھنے

www.KitaboSunnat.com

کی بجائے شریعت کی نظر سے دیکھنا چاہئے، کیونکہ دین بہرحال پوری اُمت اور معاشرے کے مصالح کو سامنے رکھ کر مشروع کیا گیا ہے۔

❁ علاوہ ازیں اَحکامِ شریعت کی حکمتیں کبھی ظاہر ہوتی ہیں اور کبھی مخفی۔ اس لیے شارع لوگوں کو مشقت میں نہیں ڈالنا چاہتا، لیکن شارع کا مقصود یہ بھی نہیں کہ مطلقاً عام مشقت بھی لوگوں کو نہ کرنی پڑے۔

شارع نے اَحکامات کی تشریح میں بندوں کے لیے دنیا وآخرت دونوں جہانوں کی مصلحتیں رکھی ہیں اور یہ مصلحتیں بسا اوقات اعمالِ شاقہ (پرمشقت کاموں) کے بغیر حاصل نہیں ہوتیں جیسے حج اور جہاد فی سبیل اللہ ہے۔ شیخ الاسلام امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

"فالله تعالىٰ إنما حرم علينا الخبائث لما فيها من المضرّة والفساد، وأمرنا بالأعمال الصالحة لما فيها من المنفعة والصلاح لنا، وقد لا تحصل هذه الأعمال إلا بمشقة كالجهاد والحج والأمر بالمعروف والنهي عن المنكر وطلب العلم فيتحمّل تلك المشقة، ويُثاب عليها لما يعقبها من المنفعة كما قال ﷺ لعائشة لما اعتمرت من التنعيم عام حجة الوداع «أجرك على قدر نصبك» وأما إذا كانت فائدة العمل منفعة لا تقاوم مشقته فهذا فساد، والله لايحب الفساد..... الخ» (الفتاویٰ: ۲۵/۲۸۲)

''اللہ تعالیٰ نے خبائث کو اس لیے حرام کیا ہے، کیونکہ ان میں ضرر اور فساد ہے، اور نیک اعمال کرنے کا ہمیں اس لیے حکم دیا ہے، کیونکہ ان میں فوائد اور صلاح وفلاح ہیں۔ اور بسا اوقات یہ نیک اعمال مشقت کے بغیر حاصل نہیں ہوتے جیسے حج، جہاد، امر بالمعروف، نہی عن المنکر اور طلبِ علم وغیرہ۔ اس مشقت کو برداشت کیا جائے گا، کیونکہ اس کے بدلے میں عظیم فوائد و منافع ہیں جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر سیدہ عائشہؓ کو کہا تھا: تجھے تیری مشقت کے برابر اجر ملے گا، لیکن اگر عمل کا فائدہ مشقت کے برابر نہ ہو تو یہ فساد ہے اور اللہ تعالیٰ فساد کو پسند نہیں فرماتے۔''

قتادہؒ فرماتے ہیں: ''اللہ تعالیٰ نے اگر کسی کام کا حکم دیا ہے تو اپنی حاجت کے لیے نہیں، اور اگر کسی کام سے منع کیا ہے تو بخل کرتے ہوئے نہیں۔ بلکہ ان اُمور کا حکم دیا ہے جن میں بندوں

www.KitaboSunnat.com

کی خیر خواہی ہے اور ان اُمور سے منع کیا ہے جن میں بندوں کا نقصان ہے۔''

(قاعدة في المحبة للشيخ ابن تيمية: ص۱۸۳)

امام شاطبیؒ فرماتے ہیں:

''اللہ ربّ العزت نے اپنے بندوں پر جو معمولی سی مشقت ڈالی ہے وہ شارع کا مقصود نہیں ہے بلکہ اس مشقت سے مکلّف کو جو فوائد حاصل ہوتے ہیں، وہ دراصل شارع کا مقصود ہے۔''

(الموافقات:۲/۲۱۵)

❁ لہٰذا ضروری ہے کہ آسانی مقاصدِ شریعت کے ساتھ مقید ہو اور معاشرے کے لئے مصالح کے حصول کا سبب ہو۔ چنانچہ بعض مصلحتیں نفوس پر بھاری اَحکام کے ساتھ جڑی ہوئی ہیں۔ امام شاطبیؒ فرماتے ہیں کہ ''بسا اوقات ڈاکٹر مریض کو اس لیے کڑوی دوا دے دیتا ہے تاکہ اس کو فائدہ ہو''۔ (الموافقات:۷/۲۱۹)

❹ شرائط کی رعایت رکھے بغیر مطلقاً قواعد کو لے لینا بھی بڑی غلطی ہے۔ تخفیف کے لیے مؤثر مشقت کی شرائط کو سمجھے بغیر تخفیف حاصل کر لینے سے کبھی ہم بعض ایسے اَوقات میں بھی تخفیف کرلیں گے جو کہ درحقیقت محل تخفیف نہیں ہیں۔

جیسا کہ سیدہ اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے پاس ایک عورت آئی اور کہا: یارسول اللہ ﷺ! میری بیٹی کا خاوند فوت ہوگیا ہے اور اس کی آنکھیں خراب ہوگئی ہیں۔ کیا میں اس کو سرمہ ڈال دوں؟ نبی کریم ﷺ نے دو یا تین مرتبہ کہا: 'نہیں' اور ہر بار فرمایا کہ یہ تو صرف چار ماہ دس دن ہیں۔ دورِ جاہلیت میں تمہاری یہ حالت تھی کہ متوفی عنہا زوجہا (بیوہ) ایک سال تک بیٹھی انتظار کرتی رہتی، اور سال گزرنے کے بعد لید پھینکتی تھی۔ (صحیح بخاری:۵۳۳۶)

سیدہ عائشہؓ سے مروی ہے کہ ایک انصاری عورت کی شادی ہوگئی اور وہ بیمار ہوگئی۔ بیماری کی وجہ سے اس کے سر کے بال گر گئے۔ چنانچہ اُنہوں نے اس کو وِگ لگانے کا ارادہ کیا اور اس سلسلے میں نبی کریم ﷺ سے سوال کیا۔ آپؐ نے فرمایا:

«لعن الله الواصلة والمستوصلة» (فتح الباری:۵۹۳۴)

''اللہ تعالیٰ وِگ (مصنوعی بال) لگانے اور لگوانے والی پر لعنت کرے۔''

www.KitaboSunnat.com

❁ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے وہم پر مبنی مشقت اور حقیقی مشقت میں فرق کر دیا۔اس سے معلوم ہوا کہ آسانی کا فتویٰ دینے سے پہلے یہ دیکھنا ضروری ہے کہ آیا حقیقی مشقت پائی بھی جاتی ہے یا نہیں؟اور یہ جاننا بھی ضروری ہے کہ آیا یہ مشقت حکم شرعی ہے یا لوگوں نے خود اس کو اپنے اوپر مشقت بنالیا ہے۔مثلاً

زوال سے پہلے رمی کرنے کا مسئلہ

رمی جمار کا وقت زوالِ آفتاب سے لے کر غروبِ آفتاب تک ہے۔جلدی کرنے والا زوال کے فوراً بعد رمی کرلے۔ یہاں لوگوں نے خود اپنے اوپر مشقت پیدا کرلی ہے کہ سب لوگوں کی کوشش یہی ہوتی ہے کہ زوال کے فوراً بعد رمی کرلیں۔ حالانکہ رمی کا وقت غروبِ آفتاب تک ہے۔یہاں حکم شرعی کا وقت وسیع ہے جس کو لوگوں نے خود تنگ کرلیا ہے اور ہم سب جانتے ہیں کہ گھنٹہ دو گھنٹے کے بعد رش کم پڑ جاتا ہے اور رمی کرنا آسان ہوجاتا ہے۔ یہاں حکم شرعی میں مشقت نہیں ہے بلکہ یہ مشقت لوگوں کی خودساختہ ہے۔

اگر حجاجِ کرام کی تعداد کم ہوجائے مثلاً ایک لاکھ اور ان میں سے ہر شخص یہی کوشش کرے کہ جمرات کے قریب ہی اس کو جگہ مل جائے جس سے جمرات کے قریب سخت ازدحام پڑ جائے گا۔اب لوگ آکر سوال کریں کہ ہم پر آسانی کرو اور ہمیں مشقت سے بچاؤ اور جمرۂ کبریٰ کے پیچھے منیٰ سے تھوڑا سا باہر رہائش کا فتویٰ دو کیونکہ منیٰ میں سخت رش ہے۔

ہم ان کو یہی جواب دیں گے کہ منیٰ وسیع ہے اور جمرات کے قریب رہائش کرنے سے تم نے خود اس وسیع جگہ کو تنگ کرکے اپنے اوپر مشقت ڈال لی ہے۔لہٰذا تم منیٰ میں ہی قیام کرو، منیٰ سے باہر جائز نہیں ہے۔لیکن اگر واقعی پورا منیٰ بھر جائے اور مشقت یقینی ہوجائے تب ان کو خارجِ منیٰ رہائش کی اجازت دے دی جائے گی۔

یہی صورتِ حال 'رمی جمار' میں ہے۔اگر زوالِ آفتاب سے لے کر غروبِ آفتاب تک مسلسل اِزدحام جاری رہے اور مشقت حقیقتاً پائی جائے تو غروبِ آفتاب کے بعد بھی رمی کی اجازت دی جاسکتی ہے،لیکن فی الواقع ایسا نہیں ہے،کیونکہ گھنٹے دو گھنٹے کے بعد رش میں کمی ہوجاتی ہے۔آج اگر لوگوں کو زوال سے پہلے یا نمازِ فجر کے بعد رمی کرنے کا فتویٰ دے دیا

www.KitaboSunnat.com

جائے تو لوگ اسی وقت میں اِزدحام کرنا شروع کردیں گے اور آنے والے سالوں میں سوال کریں گے کہ رمی کا اوّل وقت کون سا ہے: طلوعِ شمس یا اذانِ فجر؟

❁ بہرحال اُصول یہ ہے کہ اگر مشقت حقیقتاً پائی جائے تو حصولِ آسانی اور تخفیف کے لیے فتویٰ دینا ضروری ہے۔ البتہ نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ کی تربیت کچھ اس انداز سے کرتے تھے کہ وہ نصوصِ شرعیہ کی تعظیم کریں۔ مثلاً نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«من حجَّ فلم يرفث ولم يفسق رجع من ذنوبه كيوم ولدته أمه»

''جس شخص نے حج کیا اور فسق و فجور کا کام نہ کیا، وہ گناہوں سے اس طرح صاف ہوگیا جیسے آج ہی پیدا ہوا ہو'' (صحیح بخاری: ۱۵۲۱/۳)

نبی کریم ﷺ صحابہؓ کے دلوں میں حج کی عظمت ڈالتے:

﴿ذٰلِكَ وَمَنْ يُّعَظِّمْ شَعَآئِرَ اللّٰهِ فَإِنَّهَا مِنْ تَقْوَى الْقُلُوْبِ﴾ (الحج:۳۲)

''جو شخص شعائر اللہ کی تعظیم کرتا ہے، یقیناً یہ دلوں کے تقویٰ کی بات ہے۔''

علما اور دعاۃ کو بھی نبی کریم ﷺ کے اسی اُسوۂ حسنہ پر عمل کرنا چاہئے اور ان کے دلوں میں احکامِ شریعت کی عظمت پیدا کرنی چاہئے۔

آج حالت یہ ہے کہ لوگ رخصتیں اور آسانیاں تلاش کرتے پھرتے ہیں اور شرعی اَحکام سے خلاصی حاصل کرنا چاہتے ہیں۔ اس کا بنیادی سبب دعوت وتبلیغ کی کمزوری ہے، کیونکہ ہم لوگوں کے دلوں میں احکامِ شریعت کی تعظیم پیدا نہیں کرتے۔

فاضل مؤلف کو چاہئے تھا کہ وہ بھی اپنی کتاب میں نبی کریم ﷺ کے اس شعار «خُذوا عني مناسككم» کو اختیار کرتے اور تربیت کرنے کا یہی بہترین طریقہ ہے۔ اِسی میں نبی کریم ﷺ کے اقوال وافعال اور اعتقاد کی مکمل اتباع ہے۔

لوگوں کی اس انداز سے تربیت کی جائے کہ وہ حجِ مبرور کے لیے کوشش کریں اور بعض شرعی اَحکام میں کوتاہی کرنے سے اجتناب کریں اور اس مقصدِ سفر سے بھرپور فائدہ اُٹھائیں جو بسا اَوقات زندگی میں ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے اور حاجی اس عظیم الشان سفر کے نشانات واثرات کو ساری زندگی نہیں بھول پاتا۔

نبی کریم ﷺ نے بھی صحابہؓ کی یہی تربیت کی تھی کہ « خُذوا عنِّي مناسككم» ''مجھ

www.KitaboSunnat.com

سے اپنے مناسکِ حج سیکھ لو۔'' پھر جب صحابہ کرامؓ نے تقدیم وتاخیر کے بارے میں سوال کیا تو آپ نے اس کو درست قرار دیا، لیکن شروع اور ابتدا سے ہی آپؐ نے ایسے تربیت نہیں کی تھی کہ اس طرح تقدیم وتاخیر بھی جائز ہے۔

اہل علم کا تربیت کرنے کا طریقہ کار یہی رہا ہے کہ وہ لوگوں کو نبی کریم ﷺ کی اتباع پر اُبھارتے اور سنت کی تعظیم ان کے دلوں میں راسخ کرتے تھے اور احکامِ شریعت میں تساہل سے بچنے کی تلقین کرتے رہتے تھے۔

مؤلفِ ''افعل ولا حرج'' کی بعض علمی لغزشیں

❁ فاضل مؤلف نے اپنی کتاب 'افعل ولا حرج' میں حج کے چند اُمور میں تسہیل وتخفیف ذکر کی ہے جو ہماری نظر میں غیر صحیح ہے۔ہم ان اُمور میں سے چند ایک کو بطورِ مثال نقل کرتے ہیں:

❶ مثال کے طور پر مؤلف اپنی کتاب کے صفحہ ۶۴ پر عبداللہ بن عمرو بن العاص سے مروی حدیث «أن رسول الله ﷺ ..... ماسئل عن شيء ؛ قدَّم ولا أخَّر إلا قال: اِفعل ولا حرج» نقل کرنے کے بعد فرماتے ہیں:

''اس طرح نبی کریم ﷺ کے فتویٰ سے ملتے جلتے یا غیر منصوص اَحکامات میں مفتی کا شعار «اِفعل ولا حرج» ہی ہونا چاہئے جو ایک اچھا رویہ ہے۔''

وضاحت: معلوم نہیں کہ فاضل مؤلف نے اس نص کو بقیہ نصوص پر کیسے لاگو کر دیا ہے۔ کیونکہ آپ نے ہمیشہ جواز کا فتویٰ نہیں دیا اور بعض اوقات رخصت نہیں دی۔ نیز نبی کریم ﷺ نے «افعل ولا حرج» کہا ہے نہ کہ «اُترك ولا حرج»۔ پھر فتویٰ کے لیے « افعل ولا حرج» کا شعار غیر درست ہے۔کیونکہ متعدد اُمور میں آپؐ نے «اِفعل ولا حرج» سے فتویٰ نہیں دیا بلکہ کوتاہی کی حالت کو دیکھ کر حکم لگایا۔

◉ جیسا کہ نبی کریم ﷺ نے طوافِ اِفاضہ چھوڑنے کی اجازت نہیں دی اور سیدہ صفیہؓ کے بارے میں فرمایا: «أحابستنا هي» ''کیا یہ ہمیں روکنے والی ہے۔''

◉ اور سیدہ اُمّ سلمہؓ کو بیماری کی وجہ سے طوافِ وداع چھوڑنے کی رخصت نہیں دی۔ سیدہ

www.KitaboSunnat.com

اُمّ سلمہؓ فرماتی ہیں:

شكوت إلى رسول الله ﷺ أني أشتكي فقال: «طوفي من وراء الناس وأنكِ راكبة» (زادالمعاد:۲/۲۹۹)

''میں نے نبی کریم ﷺ سے بیماری کی شکایت کی۔ آپؐ نے فرمایا: لوگوں سے ہٹ کر سواری پر سوار ہوکر طواف کرلے۔''

امام ابن قیمؒ فرماتے ہیں کہ بلاشبہ سیدہ اُمِ سلمہؓ کا طواف 'طوافِ وداع' تھا۔

◉ اسی طرح جو شخص دورانِ حج قربانی نہ پائے، اسے متبادل شے کی طرف رہنمائی کردی گئی ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

﴿ فَمَنْ لَّمْ يَجِدْ فَصِيَامُ ثَلٰثَةِ اَيَّامٍ فِي الْحَجِّ وَسَبْعَةٍ اِذَا رَجَعْتُمْ تِلْكَ عَشَرَةٌ كَامِلَةٌ﴾

''جو شخص قربانی نہ پائے وہ تین دن دورانِ حج میں اور سات دن واپس وطن لوٹ کر روزے رکھے۔ یہ کل دس روزے بن جاتے ہیں۔'' (البقرۃ:۱۹۶)

☜ جب کہ بعض اَعذار میں آپؐ نے کچھ رخصت بھی دی ہے جیسا کہ «افعل ولا حرج» سے معلوم ہوتا ہے۔ اس سے محسوس ہوتا ہے کہ نبی کریم ﷺ نے بعض عذروں پر رخصت دی ہے اور بعض پر نہیں دی۔ اسی طرح آپؐ نے افعالِ حج میں بھی فرق کیا ہے۔ چنانچہ حائضہ عورت کو طوافِ وداع چھوڑنے کی اجازت تو دے دی ہے مگر طوافِ افاضہ چھوڑنے کی اجازت نہیں دی جیسا کہ سیدہ صفیہؓ کی حدیث سے معلوم ہوتا ہے۔

اس سے معلوم ہوا کہ نہ تو ہر فعل میں رخصت دی جاسکتی ہے اور نہ ہی ہر عذر فعل کو ساقط کرتا ہے، کیونکہ بذاتِ خود نبی کریم ﷺ نے اَعذار اور اَفعال کے درمیان فرق کیا ہے۔ چنانچہ «افعل ولا حرج» کے تحت ہر فعل میں رخصت دینا، یا ہر عذر کی بنا پر فعل کو ساقط کردینا غلطی اور خطا ہے۔

اسی طرح «افعل ولا حرج» کے شعار کے تحت اَعمالِ حج میں مطلقاً تقدیم وتاخیر جائز نہیں ہے۔ چنانچہ متمتع کے لیے حج کی سعی وقوفِ عرفہ سے پہلے کرنا غیر درست ہے۔

❷ فاضل مؤلف اپنی کتاب کے صفحہ ۷۷ پر وقوفِ عرفہ کے بارے میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص غروبِ آفتاب سے پہلے میدانِ عرفات سے نکل جاتا ہے تو اس کا وقوف اس کو

www.KitaboSunnat.com

کفایت کرجائے گا۔ امام مالکؒ کے علاوہ تمام ائمہ کا یہی مذہب ہے۔ امام ابن عبدالبرؒ فرماتے ہیں کہ ہم کسی کو بھی نہیں جانتے جس نے امام مالکؒ کی موافقت کی ہو۔ بعض اہل علم کے نزدیک اس پر دم ہے، لیکن اَقرب یہی ہے کہ اس پر کچھ نہیں ہے، اس کی دلیل عروہ بن مفرس کی حدیث ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

«من أدرك معنا هذه الصلاة وأتٰى عرفات قبل ذلك ليلًا أونهارًا، فقد تمَّ حجه وقضٰى تفثه»

وضاحت: ائمہ اربعہ اس امر پر متفق ہیں کہ حاجی پر غروبِ آفتاب تک وقوفِ عرفہ واجب ہے۔ (مفید الأنام لابن جاسر: ص۳۱۶) ابن عبدالبرؒ نے نقل کیا ہے کہ عطا، ابوثور، اسحٰق، داؤد اور طبری کا بھی یہی قول ہے۔ (الاستذکار:۱۳/۳۰)

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ

''جمہور اہل علم کے نزدیک غروبِ آفتاب تک وقوفِ عرفہ واجب ہے اور بعض نے اس کو رکن قرار دیا ہے۔'' (اقتضاء الصراط المستقیم:۱/۳۲۱)

تاہم غروبِ آفتاب سے پہلے چلے جانے والے شخص کے حج کے بارے میں ائمہ کرام کا اختلاف ہے۔ ائمہ ثلاثہ نے ایسے شخص کے حج کو صحیح قرار دیا ہے جب کہ امام مالکؒ نے باطل کہا ہے۔ (الاستذکار:۱۳/۲۹) جبکہ فاضل مؤلف نے اس رائے کے خلاف کہا ہے کہ غروبِ آفتاب تک وقوف کرنا سرے سے واجب ہے ہی نہیں۔ بلکہ غروبِ آفتاب سے عرفہ سے چلا جانا جائز ہے اور موصوف نے عروۃ بن مفرس کی حدیث سے استدلال کیا ہے جب کہ یہ حدیث دو وجوہ سے ناقابل استدلال ہے:

① مشرکین غروبِ آفتاب سے پہلے ہی عرفات سے واپس آجاتے تھے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے ان کی مخالفت کرتے ہوئے غروبِ آفتاب کے بعد آنے کا حکم دیا۔

امام ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں:

''مشرکین غروبِ آفتاب سے پہلے عرفہ سے نکل جاتے تھے۔ چنانچہ نبی کریم ﷺ نے غروبِ آفتاب کے بعد نکل کر ان کی مخالفت کی ہے۔ لہٰذا جمہور علما کے نزدیک غروب کے بعد نکلنا

www.KitaboSunnat.com

واجب ہے اور بعض نے اس کو رکن کہا ہے۔'' (اقتضاء الصراط المستقیم:۳۱۹/۱)

② اگر غروبِ آفتاب سے پہلے عرفہ سے نکلنا جائز ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضعفاء اور عورتوں کو ضرور اس کی اجازت دے دیتے جیسا کہ مزدلفہ سے جلدی نکلنے کی اجازت ہے۔

③ اگر اس حدیث کو اس کے ظاہر پر بھی محمول کرلیا جائے تو دیگر نصوص غروبِ آفتاب تک وقوفِ عرفہ کے وجوب پر کافی ہیں۔ نبی کریم ﷺ نے غروبِ آفتاب تک وہاں قیام کیا اور غروبِ آفتاب سے پہلے آپؐ یا صحابہ کرامؓ میں سے کوئی شخص بھی نہ نکلا اور آپؐ کا فرمان ہے: «خذوا عني مناسككم» ''مجھ سے احکامِ مناسک سیکھ لو۔''

④ عروۃ بن مضرس نے رات کو وقوف کیا تھا۔ اگر اس نے دن کو وقوف کیا ہوتا تو نبی کریم ﷺ سے اپنے حج کے بارے میں سوال نہ کرتا کہ میرا حج ہے کہ نہیں؟ نیز یہ حدیث 'حج کافی' پر دلالت کرتی ہے نہ کہ 'حج کامل' پر۔ جیسا کہ اگر کوئی شخص میقات سے اِحرام نہ باندھے اور میقات سے گزرنے کے بعد باندھ لے تو اس کا حج صحیح ہوگا، لیکن اس پر دَم ہے۔

③ فاضل مؤلف اپنی کتاب کے صفحہ ۸۵ پر رمی جمار کے متعلق لکھتے ہیں کہ

جمہور اہل علم کے نزدیک رمی جمار واجب ہے، کیونکہ خود نبی کریم ﷺ نے رمی کی اور آپؐ کا قول ہے: «خُذُوا عني مناسككم»

جب کہ امام مالکؒ (سے ایک روایت میں) یہ سنتِ مؤکدہ ہے اور سیدہ عائشہؓ کا بھی یہی قول ہے، لیکن راجح مذہب جمہور کا ہے کہ رمی جمار واجب ہے۔ پھر مؤلف نے کتاب کے حاشیے میں المجموع للنووي (۱۳۸/۸) اور فتح الباری (۵۷۹/۳) کا حوالہ دیا ہے۔

وضاحت: فاضل مؤلف نے امام مالکؒ سے المجموع اور فتح الباری کے حوالے سے سنتِ مؤکدہ نقل کیا ہے، لیکن امام ابن حجرؒ کے حوالے سے، جو میں جانتا ہوں وہ یہ ہے کہ جمہور اہل علم کے نزدیک رمی جمار واجب ہے اور اس کے چھوڑنے پر دَم ہے اور مالکیہ کے نزدیک سنتِ مؤکدہ ہے جس کو ادا کرنا ضروری ہے۔ مالکیہ کے ہاں ایک روایت یہ بھی ہے کہ جمرہ عقبہ کی رمی کرنا حج کا رکن ہے۔ اسکے چھوڑنے سے حج باطل ہوجاتا ہے۔ (فتح الباری:۶۷۷/۳)

اس عبارت کے دو صفحات بعد، میں نے پڑھا ہے کہ ابن حجرؒ امام مالکؒ سے روایت کرتے

www.KitaboSunnat.com

ہیں کہ جس شخص نے سات سے کم کنکریاں ماریں اور وہ تدارک نہ کرسکا تو اس پر دَم ہے۔
(فتح الباری:۲/۶۷۹)

امام نوویؒ جمرہ عقبہ کی رمی میں علما کے مذاہب بیان کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ امام مالکؒ کے نزدیک یہ واجب ہے۔ [المجموع للنووي:۸/۱۷۷]

امام نوویؒ ہی امام مالکؒ سے نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کی تین کنکریاں فوت ہوگئیں، اس پر دم دینا واجب ہے۔[المجموع:۸/۲۶۹]

امام نوویؒ ہی امام مالک سے نقل کرتے ہیں کہ جس شخص کی ایک کنکری رہ گئی، اس پر بھی دم دینا واجب ہے۔[المجموع:۸/۲۷۰]

❹ فاضل مؤلف اپنی کتاب کے صفحہ ۸۹ پر کنکریوں کی تعداد کے بارے میں لکھتے ہیں کہ
''بسا اوقات ان ذیلی اُمور میں تاکید وسوسہ کا سبب بن جاتی ہے اور حاجی کو شک ہوجاتا ہے کہ آیا اس نے چھ کنکریاں ماریں یا سات، اس کی کنکریاں حوض کے اندر گری ہیں یا باہر؟ سنن نسائی میں سیدنا سعد بن ابی وقاصؓ سے مروی ہے کہ ہم نبی کریم ﷺ کے ساتھ حجۃ الوداع سے واپس آرہے تھے بعض کہتے کہ ہم نے سات کنکریاں ماری ہیں، بعض کہتے کہ ہم نے چھ کنکریاں ماری ہیں اور ہم میں سے کوئی بھی کسی پر عیب نہ لگاتا تھا۔''

وضاحت: رمی کے سو فیصد مکمل ہونے کو یقینی بنانا دراصل شعائرِ حج کی تعظیم ہے۔علماء اور مصلحین کا یہی طریقہ کار رہا ہے، کیونکہ اس منسک کا کمال ہی مطلوب ہے۔البتہ چھ کنکریوں کے کفایت کرجانے کے بارے میں اہل علم کا اختلاف ہے۔

مجاہد، اسحٰق اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک چھ کنکریاں ہی کفایت کرجائیں گی۔ ان کی دلیل سیدنا سعد بن ابی وقاص کی مذکورہ حدیث ہے۔

[الاستذكار لابن عبدالبر:۱۳/۲۲۴،الشرح الكبير:۹/۲۴۳]

جب کہ امام شافعیؒ، طاؤس، اصحابُ الرائے اور ایک روایت میں امام احمد کے نزدیک سات کنکریاں مارنا واجب ہے۔اُنہوں نے نبی کریم ﷺ کے عمل سے دلیل لی ہے، کیونکہ آپؐ نے سات کنکریاں ماریں تھیں۔ (الشرح الكبير:۹/۲۴۳)

سلف رمیِ جمار میں تاکید سے کام لیتے اور اس کا اہتمام کرتے تھے اور لوگوں کے دلوں میں

www.KitaboSunnat.com

اس کی عظمت پیدا کیا کرتے تھے۔امام مالکؒ سے مروی ہے کہ اگر کسی شخص نے مکمل رمی چھوڑ دی یا ایک جمرہ کی رمی چھوڑ دی یا ایک کنکری کم ماری اور ایامِ منیٰ گزر گئے تو اس پر دم ہے۔امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہے کہ جس شخص کی ایک کنکری رہ گئی، وہ ایک مسکین کو کھانا کھلائے۔اَوزاعیؒ فرماتے ہیں کہ وہ صدقہ کرے۔امام ثوریؒ فرماتے ہیں: ایک، دو اور تین کنکریاں کم ہونے کی صورت میں کھانا کھلائے گا لیکن اگر چار یا چار سے زائد کنکریاں نہ ماریں تو اس پر دم ہے۔

امام لیثؒ فرماتے ہیں کہ ''ایک کنکری میں بھی دم ہے۔''

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ ایک کنکری میں ایک مد اور دو کنکریوں میں دو مد کھانا کھلایا جائے گا جب کہ تین کنکریوں کے رہ جانے میں دم ہے۔امام شافعیؒ کا دوسرا قول امام لیثؒ کی مانند بھی منقول ہے، لیکن یہ پہلا قول زیادہ مشہور ہے۔

(التمهيد لابن عبد البر:۱۷/۲۵۵،الاستذكار:۱۳/۲۲۳)

پتہ نہیں سلف نے ہمارے اوپر سختی کی ہے یا ہم تساہل برتنے لگ گئے ہیں۔

سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن بازؒ فرماتے ہیں:

''حاجی کے لیے ضروری ہے کہ اس کو کنکری کے حوض میں گرنے کا علم ہو یا ظنِ غالب ہو۔اگر کسی شخص کو اس کی کنکری حوض میں گرنے کا علم یا ظن غالب نہیں ہے تو اس پر دوبارہ کنکری مارنا واجب ہے۔اگر اس نے رمی کا وقت گزر جانے تک دوبارہ کنکری نہ ماری تو اس پر دم ہے جس کو وہ مکہ میں ذبح کرے گا اور وہاں کے فقرا میں تقسیم کردے گا۔

(فتاویٰ شیخ ابن باز:۱۷/۳۷۹)

شیخ ابن بازؒ سے سوال کیا گیا کہ اگر کسی شخص کو یہ شک پڑ جائے کہ اس کی کچھ کنکریاں حوض سے باہر گر گئی ہیں تو اس کا کیا حکم ہے؟ تو شیخ نے جواب دیا: اس پر تکمیل واجب ہے۔

(فتاویٰ الحج والعمرۃ:ص۱۱۳)

اگرچہ صحابہ کرامؓ سے منقول ہے کہ بعض نے چھ اور بعض نے سات کنکریاں ماریں مگر افضل اور اَکمل سات ہی ہیں، کیونکہ نبی کریم ﷺ نے سات کنکریاں ماریں تھیں۔

❺ فاضل مؤلف اپنی کتاب کے صفحہ ۹۰ پر لکھتے ہیں کہ

''میری رائے کے مطابق زوال سے پہلی رمی کی جاسکتی ہے۔''

www.KitaboSunnat.com

وضاحت: اس مسئلہ میں اہل علم کا اختلاف ہے۔ مؤلف نے زوال سے قبل رمی کرنے کے جواز پر علما کے اَقوال ذکر کئے ہیں، لیکن یہاں زوال سے قبل عدمِ جواز کے اقوال بھی موجود ہیں:

* ابن جریج فرماتے ہیں کہ میں نے عطا کو فرماتے ہوئے سنا: ''زوالِ شمس سے پہلے جمرہ کی رمی نہ کرنا'' اب میں نے اپنے آپ کو اس کا عادی بنا لیا ہے۔
* شیخ صالح بلیہیؒ کی کتاب السلسبیل میں بھی زوال سے پہلے رمی کرنے کے عدمِ جواز کا تذکرہ موجود ہے۔ (۱/۴۱۰)
* شیخ ابن تیمیہؒ اور ابن قیمؒ نے بھی اسی کو اختیار کیا ہے، کیونکہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا اسی پر عمل ہے۔ نیز ائمہ ثلاثہ اور جمہور اہل علم بھی اسی کے قائل ہیں کہ زوال سے پہلے رمی کرنا جائز نہیں ہے۔ (الشرح الکبیر: ۹/۲۴۰، المجموع: ۸/۲۶۹)
* شیخ محمد بن ابراہیم، شیخ عبدالحمید بن حمید، سماحۃ الشیخ عبدالعزیز بن باز اور شیخ محمد بن صالح عثیمین بھی زوال سے پہلے رمی جمار کے عدمِ جواز کے قائل ہیں۔
* نافع سے مروی ہے کہ سیدنا عبداللہ بن عمرؓ کہا کرتے تھے:

"لا ترم الجمار في الأيام الثلاثة حتى تزول الشمس....."

''ان تین دنوں میں زوالِ شمس سے پہلے رمی نہ کرنا۔'' (موطا: ۲۱۷، بیہقی: ۵/۱۴۹)

* اگر زوال سے پہلے رمی کرنا جائز ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضعفا اور عورتوں کو ضرور اس کی اجازت دے دیتے جیسا کہ مزدلفہ سے جلدی منیٰ جانے کی اجازت دے دی تھی، کیونکہ یہ انتہائی رش کا مقام ہے۔
* امام ابن عبدالبرؒ نے زوال کے بعد رمی کرنے کے وجوب پر اہل علم کا اجماع نقل کیا ہے۔ (التمہید لابن عبدالبر: ۶/۲۷)
* شیخ محمد صالح العثیمین فرماتے ہیں کہ اگر زوال سے پہلے رمی کرنا جائز ہوتا تو نبی کریم ﷺ ضرور زوال سے پہلی رمی کرتے، کیونکہ یہ بندوں پر آسان ہے اور نبی ﷺ کا طریقہ کار یہ تھا کہ ہمیشہ دو اختیاری اُمور میں سے آسان تر پر عمل کرتے تھے اگر وہ گناہ نہ ہوتا۔ یہاں نبی کریم ﷺ کا اس آسان امر کو اختیار نہ کرنا اس امر پر دلالت کرتا ہے کہ

www.KitaboSunnat.com

یہ گناہ ہے۔ (فتاویٰ الحج والعمرۃ:ص۱۱۱)

❋ مؤلف نے بطورِ دلیل حضرت ابن عباسؓ کا اثر نقل کیا ہے کہ زوال سے پہلے رمی کرنا ابن عباسؓ سے مروی ہے جب کہ اس روایت کو امام بیہقی نے ضعیف سند کے ساتھ نقل کیا ہے لہٰذا یہ روایت قابل استدلال نہیں ہے۔ (بیہقی:۱۵۲/۵)

دوسری طرف ابن ابی شیبہؒ نے وکیع عن ابن جریج عن ابن ابی ملیکہ کے طریق سے ابن عباسؓ کا فعل نقل کیا ہے کہ اُنہوں نے زوال سے پہلے چاشت کے وقت رمی کی۔ (مصنف ابن ابی شیبہ: ۳۱۹/۳) لیکن راوی حدیث ابن ابی ملیکہ نے اس بات کی صراحت نہیں کی کہ ابن عباسؓ نے کس دن یہ رمی کی تھی، ممکن ہے کہ یہ یوم العید ہو۔ بہرحال اس اثر میں احتمال ہے، اس میں یوم العید یا ایامِ تشریق کو رمی کرنے کے دونوں احتمال موجود ہیں۔

امام ابن عبدالبرؒ نے سیدنا ابن عباسؓ سے ایک اور اثر نقل کیا ہے کہ زوال سے پہلے کی گئی رمی کافی نہیں ہے۔ (التمہید لابن عبدالبر:۲۷۲/۷)

❋ ❋ ❋

تقدیم از الشیخ صالح بن فوزان الفوزان

تمام تعریفیں ربّ العالمین کے لیے ہیں اور درود وسلام ہوں ہمارے نبی محمد ﷺ، آپؐ کی آل، اصحاب اور تابعین پر۔

حمد وثنا کے بعد! میں نے فضیلۃ الشیخ فہد بن سعد ابوحسین کی لکھی ہوئی یہ بحث بعنوان "کیف نفھم التیسیر؛ وقفات مع کتاب اِفعل ولا حرج" پڑھی ہے جو میرے علم کے مطابق ایک گراں قیمت بحث ہے۔ مؤلف نے اسے اس مقدمہ سے شروع کیا ہے جس میں اس بات کی وضاحت کی ہے کہ کوئی بھی دل اس وقت تک حق پر قائم رہ سکتا ہے جب تک وہ امر ونواہی کی تکریم کرے۔ مناسکِ حج بھی اللہ کے شعائر میں سے ہیں اور ان کی تکریم و تعظیم کرنا بھی دلوں کی پاکیزگی کی علامت ہے۔ جب کہ اَوامر کی تکریم کی نشانی یہ ہے کہ ان کی اَدائیگی کے اَوقات اور مقررہ حدود کا خیال رکھا جائے، ان کے اَرکان اور واجبات کی جستجو کی جائے اور اُنہیں ان کے مقررہ اوقات میں بہ تمام وکمال اَدا کرنے کی کوشش کی جائے اور

www.KitaboSunnat.com

اس مفہوم میں فاضل مؤلف نے کئی ایک علماء کے اقوال نقل کئے ہیں جن میں شیخ الاسلام ابن تیمیہؒ اور ان کے شاگرد علامہ ابن قیمؒ اور فضیلۃ الشیخ عبدالرحمٰن بن ناصر سعدی رحمہم اللہ شامل ہیں۔ پھر شیخ فہد نے زیرنظر کتابچہ پر عبداللہ بن بیہ کے تحریر کردہ پیش لفظ کا مناقشہ کیا ہے اور بتایا ہے کہ اُنہوں نے علماے کرام کے کلام کا غلط مفہوم مراد لیا ہے اور اس طرح شیخ نے عبداللہ بن بیہ کی کئی ایک باتوں کو ہدفِ تنقید بنایا ہے۔

پھر مؤلف نے شیخ سلمان العودۃ کا مناقشہ کیا ہے اور ان کی کئی ایک باتوں پر تنقید کی ہے اور اُنہیں کئی ایک باتوں پر غور وفکر کی دعوت دی ہے۔ مثلاً نبی کریم ﷺ صحابہ کرامؓ کو اپنے کلام پر عمل کرنے کی تربیت دیتے تھے اور حج وغیرہ کے اَحکام میں اُنہیں اپنی اتباع پر اُبھارتے تھے اور ان کے دلوں میں نصوصِ شرعیہ کی تکریم وتعظیم کا بیج بوتے تھے۔ اس کے علاوہ اُنہوں نے بتایا کہ مذکورہ کتاب میں قواعد وضوابط کی پیروی بھی نہیں کی گئی، کیونکہ افعل و لا حرج کو بنیاد بنا کر دروازہ کھول دینا لوگوں کے لیے احکامِ حج سے عدم توجہی اور ان کی بے قدری کا سبب ہے جبکہ نبی ﷺ نے حج کے اُمور کو منضبط کرتے ہوئے فرمایا تھا کہ ''مجھ سے مناسکِ حج سیکھ لو۔''

علاوہ ازیں شریعت کے مشکل اُمور کو لوگوں کے سامنے رکھے بغیر احکام شریعت کو ان کے من پسند انداز اور خواہشاتِ نفسانیہ کے مطابق پیش کرنے سے عدمِ توازن پیدا ہوگا اور حج کے شرعی مقاصد کو مطلوب طریقے کے مطابق اَدا نہ کرنے اور ان میں پنہاں روحانیت کو نہ اپنانے کا رجحان پیدا ہوگا جب کہ میانہ روی مطلوب ہے اور میانہ روی کتاب وسنت ہی کی پیروی کا نام ہے۔ اور یہ کہ بلاشبہ بہت ساری نصوص تشدد اور سختی سے اجتناب کے متعلق وارد ہوئی ہوتی ہیں پس جس طرح تشدد کا انکار ضروری ہے، اُسی طرح اس آسانی کا انکار بھی ضروری ہے جو شریعت سے متصادم ہو۔

اور یہ کہ مفتی کے لیے مناسب ہے کہ فتویٰ دینے سے قبل اپنے نفس کی نجات کے متعلق غور کرے اور پھر فتویٰ دے کیونکہ فتویٰ دینا ربّ العالمین کی طرف سے دستخط کرنے کے مترادف ہے۔ اور اسے مؤلف نے عبادت کے ظاہر میں منہمک ہوجانے اور عبادت کی اصل روح اور مغز کے کھو دینے کو برا قرار دیا ہے اور یہ کہ مناسک کے مقصود اور غرض کو سمجھنا جبکہ عمل کی اہمیت

www.KitaboSunnat.com

کونظر انداز کر دینا غلطی ہے۔

اسی طرح فاضل مؤلف نے صاحب کتاب افعل ولا حرج کے اس قول کو بھی ہدف تنقید ٹھہرایا ہے کہ مفتی کو چاہئے کہ ایسے تمام معاملات جن میں کوئی فعل موجود نہ ہو، یا وہ معاملات جن میں نبی اکرم ﷺ نے یہ کلمہ ارشاد فرمایا ہے یہی کلمہ ہے۔ فاضل ناقد کا کہنا ہے کہ مجھے نہیں معلوم کہ اُنہوں نے کس بنا پر اس نص کو دیگر نصوص پر مقدم کر دیا ہے اور اُن سے پہلے اس قول میں ان کے پیشرو کون ہیں؟ اس طرح مؤلف کی اس بات کو بھی غلط قرار دیا ہے کہ عرفہ سے غروبِ شمس سے قبل لوٹنا جائز ہے، کیونکہ عرفہ میں غروبِ شمس تک وقوف کرنا بعض علما کے نزدیک واجب اور بعض کے نزدیک رکن ہے۔

مزید برآں مؤلف کے فقہا پر اس اعتراض کو بھی غلط قرار دیا ہے کہ فقہا فرضی اور تاحال پیش نہ آنے والے مسائل بھی ذکر کیا کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ فقہا ان مسائل کو اس لیے ذکر کرتے ہیں کہ نئے پیش آمدہ مسائل پر ان کو منطبق کیا جا سکے اور طالب علم میں فقہی مسائل کے استنباط کا ملکہ پیدا کیا جائے نہ کہ محض اس لیے بغیر قواعد وضوابط کے فرضی مسائل میں رائے زنی کرتے رہیں۔

اسی طرح افعل ولا حرج نامی کتاب کے مصنف نے اس بات کو بھی غلط قرار دیا ہے کہ ایامِ تشریق میں زوال سے قبل رمی جمار جائز ہے اور اس باب میں فاضل مؤلف نے علما کے اَقوال نقل کر کے اس موقف کو راجح ثابت کیا ہے کہ زوال سے قبل رمی ناجائز ہے اور اس بحث کی اہمیت کے پیش نظر اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے۔ جبکہ شیخ فہد کا ان تمام مناقشات سے مقصود محض تسہیل کا حصول ہے۔ اہل علم ہمیشہ سے ایک دوسرے کی تردید کرتے رہے ہیں جیسا کہ امام مالکؒ کا فرمان ہے کہ

''ہم میں سے ہر کوئی ایک دوسرے کی تردید کر بھی سکتا ہے اور خود اس کی بات کی بھی تردید ہو سکتی ہے سوائے رسول اللہ ﷺ کے۔''

تتمہ از شیخ صالح بن فوزان الفوزان

تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے شریعت مقرر کی اور آسان فرمائی۔'' اور اس

www.KitaboSunnat.com

نے تم پر دین کے بارے میں کوئی تنگی نہیں کی۔'' (الحج:۷۸) حج اور دین کے دیگر احکامات میں آسانی صحیح دلائل کے امر ہی سے ہوگی جس طرح اللہ سبحانہ وتعالیٰ نے مشروع کیا ہوگا۔ انہی احکامات میں سے حج اور عمرے کی عبادت بھی ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ''حج اور عمرے کو اللہ کے لیے پورا کرو۔'' (البقرۃ:۱۹۶) اور ان کا اِتمام ان کے مناسک کو اس طریقے پر ادا کرنے سے ہوگا جس کے مطابق رسول اللہ ﷺ نے ان کو ادا کیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

''بلاشبہ تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی ذات ہی بہترین نمونہ ہے۔''

(السنن الکبری للبیهقي:۱۲۵/۵)

اور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

''مجھ سے حج وعمرہ کی ادائیگی کے طریقے سیکھ لو۔''

یعنی ان کو اس طریقے کے مطابق ادا کرو جس کے مطابق میں نے ادا کیا ہے، نہ کہ ان رخصتوں کے مطابق جو علما نے کتاب وسنت سے دلیل کے بغیر تراشی ہوں۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد گرامی ہے:

''اے ایمان والو! اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرو اور اپنے میں سے اولی الامر کی۔ پس اگر تم میں کسی چیز میں جھگڑا ہو جائے تو اس کو اللہ اور رسولؐ کی طرف لوٹا دو اگر تم اللہ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتے ہو یہ بہتر ہے اور مال کے اعتبار سے اچھا ہے۔'' (النساء:۵۹)

اب اس آیتِ کریمہ میں ہے کہ ہم پر علما کے انہی اقوال کو لینا واجب ہے جن پر کتاب وسنت دلالت کرتی ہو، نہ کہ ان کو جو ہماری خواہشات اور دلچسپیوں کے موافق ہو اور جن کی صحیح دلائل کے اعتبار سے کوئی حیثیت نہ ہو۔ اسی طرح شرعی دلائل کو ان کے غیر مدلول معنی میں بھی استعمال نہیں کیا جائے گا۔ جیسا کہ یومِ نحر کے اعمال کو ایک دوسرے پر مقدم ومؤخر کرنے پر کچھ لوگوں نے نبی اکرم ﷺ سے اس کے متعلق دریافت کیا تو آپؐ نے فرمایا: «افعل ولا حرج» ''ٹھیک ہے، کرتے رہو اور کوئی حرج نہیں۔''

اب اگر اس دلیل کو کوئی ہر قسم کی تقدیم وتاخیر کے جواز بلکہ حج کے واجبات وافعال کے ترک کے لیے استعمال کرے تو یہ اس دلیل کا غلط استعمال ہوگا۔ اس قول کو فراموش کر دینے

www.KitaboSunnat.com

کے مترادف ہوگا کہ ''حج اور عمرے کو اللہ کے لیے پورا کرو'' جبکہ حج اور عمرے کا وہ اِتمام جس کا اللہ نے مذکورہ آیت میں حکم دیا ہے، اس کے بغیر حاصل ہی نہیں ہوگا کہ ان کے تمام مناسک کی ادائیگی اللہ اور رسول ﷺ کے مقرر کردہ زمان ومکان میں کی جائے نہ کہ کسی ایسے قول یا فتوے کی بنیاد پر جس کی کوئی دلیل نہ ہو یا پھر «افعل و لا حرج» کو سہارا بنا لیا جائے اور اس کلمے کو اس زمان، مکان یا اُن افعال کے علاوہ کسی اور جگہ استعمال کیا جائے جن کے لیے نبی اکرم ﷺ نے یہ کلمہ ارشاد فرمایا ہے۔

کیا رسول اللہ ﷺ نے غروبِ شمس سے پہلے عرفہ سے لوٹنے والے کو بھی کہا تھا کہ «افعل و لا حرج» ''کرتے جاؤ اور کوئی حرج نہیں۔''؟

کیا ایامِ تشریق میں زوالِ شمس سے پہلے رمی کرنے والوں کو بھی نبی ﷺ نے یہی کہا تھا؟

اور کیا عرفات کے بجائے وادی نمرہ یا وادی عرفہ میں وقوف کرنے والے کو بھی اسی طرح ارشاد فرمایا تھا؟

کیا نصف رات سے قبل مزدلفہ سے لوٹ آنے والے کو بھی یہی جواب دیا تھا؟

اور کیا مزدلفہ اور منیٰ میں رات نہ گزارنے والوں کو بھی یہی کہا تھا جب کہ وہ ان دونوں مقامات میں رات گزارنے پر قادر تھے؟

اور کیا بغیر طہارت بیت اللہ کا طواف کرنے والے کو بھی یہی کہا تھا.....!!

ظاہر ہے کہ ان تمام سوالات کا جواب نفی میں ہے۔ لہٰذا ضروری ہے کہ تمام اُمور کو ان کی مناسب جگہ پر اور تمام دلائل کو ان کے مناسب حال اُمور پر رکھا جائے اور ضروری ہے کہ مطلق اور مجمل کو بھی بیان کر دیا جائے جیسا کہ علامہ ابن قیمؒ نے کہا ہے:

''تم پر بات کو کھول کر بیان کر دینا لازمی ہے، کیونکہ اجمال اور اطلاق بعض اوقات خلط مبحث کا سبب بنتے ہیں اور عقول وافہام کو تشویش میں مبتلا کر دیتے ہیں۔''

اور ہمیں یہ بھی فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ جہاد میں مشقت لازمی ہوتی ہے، یہ کوئی تفریحی سفر نہیں ہوتا جب کہ مناسک کی ادائیگی کے لیے اللہ نے زمان اور مکان ہر دو اعتبار سے وسعت رکھی ہے۔ مکان کی وسعت اس اعتبار سے کہ رسول اللہ کا فرمان ہے:

www.KitaboSunnat.com

''میں نے یہاں وقوف کیا ہے اور مزدلفہ تمام کا تمام جاے وقوف ہے۔''

اور نبی کریم ﷺ نے بیت اللہ کا طواف پیدل اور سوار ہوکر دونوں طرح کیا ہے۔ اس طرح طوافِ افاضہ اور سعی کا وقت عید والے دن آدھی رات سے شروع ہوجاتا ہے جب کہ اس کے اختتام کی کوئی حد مقرر نہیں ہے۔ اور جمرہ العقبہ کی رمی کا وقت دسویں کی نصف رات سے شروع ہوکر گیارہویں تاریخ کی شام تک وسیع ہے۔ اور تینوں جمرات کی رمی کا وقت زوال شمس سے شروع ہوکر بارہویں تاریخ کی شام تک وسیع ہے اور تیرہویں کی رات اس شخص کے لیے ہے جو جلدی کرے اور جو تاخیر سے کرنا چاہے، اس کے لیے تیرہویں کی غروبِ شمس تک وقت ہے اور نبی ﷺ کی تمام وادی رات گزارنے کی جگہ ہے اگر لوگ ناجائز تصرفات نہ کریں اور اپنی لالچوں کو ملحوظ نہ رکھیں تو یہ وادی حجاج کے لیے تنگ نہیں ہے، اگر اس کی صحیح قدر کی جائے اور ہر کوئی قابل کفایت جگہ تک محدود رہے اور باقی اپنے بھائیوں کے لیے چھوڑ دے۔ بصورتِ دیگر ضرورت سے زائد جگہ روکنے پر وہ اس شخص کے گناہ کا ذمہ دار ہوگا جو جگہ نہ ملنے کے سبب منیٰ سے باہر رات گزارے۔

قسم ہے کہ شہر لوگوں کے لیے تنگ نہیں ہوتے بلکہ لوگوں کے اخلاق ہی تنگ ہوجایا کرتے ہیں۔ بات کو کھول کر بیان کردینے کی ضرورت ہے۔ اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان ہے کہ ''حج اور عمرہ کو اللہ کے لیے مکمل کرو۔'' اور نبی اکرم ﷺ کا یہ فرمان ہے کہ ''مجھ سے مناسک حج وعمرہ سیکھ لو۔''

رہا آپؐ کا فرمان: «افعل ولا حرج» تو یہ ایسے شخص کو کہا جائے گا جس سے یوم عید کو کئے جانے والے مناسک میں تقدیم وتاخیر ہو جیسا کہ خود رسول اللہ ﷺ نے اس موقع پر یہ الفاظ کہے تھے جن لوگوں سے چار مناسک: رمی، نحر، سرمنڈوانے، طواف اور سعی میں تقدیم وتاخیر ہوئی تھی اور نبی اکرم ﷺ نے لوگوں سے یہ الفاظ اِن غلطیوں کے صدور کے وقت کہے تھے نہ کہ پہلے ہی سے ارشاد فرما دیئے تھے، کیونکہ «افعل ولا حرج» کے پیغام کو تمام لوگوں تک غلطی کے صدور سے پہلے پہنچا دینا اعمالِ حج میں خلل اندازی کا سبب بنے گا۔

ہم اللہ سے دعا گو ہیں کہ علم نافع، عمل صالح اور اپنی رِضا کے لیے مخلص ہونے کی توفیق عطا فرمائے اور اللہ ہمارے نبی محمد ﷺ، آپؐ کی آل اور اصحابؓ پر رحمت کرے۔ آمین!

www.KitaboSunnat.com